ڈاکٹر شفیق انجم

''سب رس'': قیاس، مفروضے اور حقائق

'Sab Ras' is the first ever creation of Urdu prose. Researchers believe that Mullah Wajhi wrote this tale (dastan) following the tradition set in 'Dastoor-e-Ishah' and has followed the style of tale (dastan) writing of the author of 'Dastoor-e-Ishaq'. Yahya Ibne Saibak Fattahi. With this background, in this article, an effort has been made to study the analogies, representations and opinions and they have been analyzed in the light of realities. An effort has been made to highlight the reality of ingenuities present in the content of the tale.

''سب رس'' کے بارے میں محققین کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا قصہ یحیٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کے منظوم قصے ''دستور عشاق'' جو بعد میں انہوں نے ''حسن ودل'' کے نام سے نثر میں لکھا، سے ماخوذ ہے۔ مثلاً مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔

> ''وجہی نے قصے کی واردات حرف بہ حرف فتاحی سے لی ہے۔''(۱)

حافظ محمود شیرانی بھی مولوی صاحب سے متفق ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں بھی یہی بات ملتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

> ''......نہ کہ قصے کی بنا پر جس کی تخلیق کا سہرا فتاحی کے سر ہے جو فارسی نظم اور نثر دونوں میں مدتوں پہلے طبع آزمائی کر چکا تھا۔''(۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک:

> ''سب رس محمد یحیٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی تصنیف دستور عشاق ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء کے نثری خلاصے قصہ حسن ودل سے ماخوذ ہے۔''(۳)

اس نقطہ نظر کی بنیاد وہ مفروضہ ہے جو سب سے پہلے مولوی عبدالحق صاحب نے وضع کیا۔ بعد میں آنے والے سبھی اس مفروضے کا تتبع کرتے نظر آتے ہیں۔ مولوی صاحب کا مفروضہ کچھ یوں ہے:

> ''میرا قیاس یہ ہے کہ وجہی کو فتاحی کی حسن ودل جو نثر میں ہے ہاتھ لگ گئی تھی۔ دستور

Scanned by CamScanner

عشاق اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔'' (۴)

اس قیاس کی بنا پر انہوں نے ''سب رس'' کا ''حسن و دل'' کے ساتھ تقابل کیا تو قصہ تقریباً ویسا ہی پایا۔ یوں انہوں نے نتیجہ نکالا کہ ''سب رس'' فتاحی کی ''حسن و دل'' کا چربہ ہے۔ سو وجہی پر یہی الزام ہے کہ اس نے چوری بھی کی اور اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہ کر کے سینہ زوری بھی۔ حالانکہ خود کو بڑا پارسا اور امانت دار کہتا ہے۔

آیئے ذرا اس مفروضے اور اس کے نتائج سے قطع نظر، خود ملا وجہی کی بات سنتے ہیں کہ وہ اس بابت کیا کہتا ہے۔ ''سب رس'' میں آغاز قصہ سے پہلے اس نے ایک عنوان باندھا ہے، سبب تالیف کتاب و مدح بادشاہ۔ اس میں وہ لکھتا ہے۔

> ''سلطان عبداللہ، ظل اللہ...... صباح کے وقت، بیٹھے تخت، یکایک غیب تے کچھ رمز پا کر، دل میں اپنے کچھ لیا کر، وجہی نادر من کوں، دریا دل گوہر سخن کوں، حضور بلائے، پان دیے، بہت مان دیئے، ہور فرمائے کہ انسان کے وجود بیچ میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناؤں عیاں کرنا، کچھ نشان دھرنا۔ وجہی بہوتگی گن بھریا۔ تسلیم کر کر سر پر ہاتھ دھریا، بہت بڑا کام اندیشیا، بہت بڑی فکر کریا، بلند ہمتی کے بادل تے دانش کے میدان میں گفتاراں برسایا، قدرت کے اسراراں برسایا، بادشاہ کے فرمائے پر چیتیا، نوی تقطیع بیتیا کہ انگے کے آن ہارے، ہمیں بھی کچھ کر سمجھیں بارے۔'' (۵)

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر وجہی نے خود اپنی سوچ بچار اور غور وخوض کے بعد لکھی اور یہ اس کا اپنا کارنامہ ہے۔ جو اس کی وجہ تصنیف ہے وہ بھی اس نے بیان کر دی۔ اب ذرا ایک اور مفروضہ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی فرماتے ہیں۔

> ''قرین قیاس ہے کہ یہ مشہور ومعروف تصنیف عبداللہ قطب شاہ کی نظر سے بھی گزری ہوگی اور اس نے دقائق عشق بازی کو ''حسن و دل'' کے انداز میں دکنی میں لکھنے کی ملا وجہی سے فرمائش کی ہوگی۔'' (۶)

یہ محض ایک قیاس ہے کیونکہ خود وجہی نے اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ اگر یہ بادشاہ کا فرمان ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا۔ وجہی کا جو اقتباس اوپر نقل کیا ہے وہ نہایت واضح اور دوٹوک ہے۔ اب یہ کہنا کہ وجہی کے ہاتھ ''حسن و دل'' کا کوئی نسخہ لگ گیا ہوگا (جیسا کہ مولوی عبدالحق صاحب نے فرمایا) یا یہ کہنا کہ عبداللہ قطب شاہ نے اس کتاب کو پڑھا/سنا ہوگا اور اس نے وجہی سے اسی انداز میں لکھنے کی فرمائش کی ہوگی، محض قیاس آرائیاں ہیں۔ اس سے زیادہ شاید کچھ نہیں۔ قطعی بات وہی ہے جو خود وجہی نے بیان کر دی ہے اور محض ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں دفعہ اس قصے اور اسلوب کو اپنی ایجاد قرار دیا ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

Scanned by CamScanner

''یو بات نہیں یو تمام وحی ہے الہام ہے۔ جسے خدا کی محبت سوں غرض ہے۔ اس پر فاتحہ ہمارا فرض ہے۔''(۷)

''میں تو یو بات نہیں کیا ہوں، عیسیٰ ہو کر بات کو جیو دیا ہوں۔ دانش کے باغ میں آیا، بہار ہو کر پھولاں کھلایا، اگر کوئی کوڑ ہوڑ جہالت سوں، رزالت سوں، بات کرے، نا سمجھ یو مایا، تو خدا بھی اس جا گا حسرت جیسے کوں کہیا ہے کہ کوڑاں ہیں مجہول، نامقبول، مردود، نا قبول۔''(۸)

''غرض بہت نادر نادر باتاں بولیا ہوں، دریا ہو کر موتی رولیا ہوں۔''(۹)

''جکوئی باٹ ہمارا چلیا وہ ہمارا ہے، ہر چند فہم داری ہے، چلیا تو کیا ہوا باٹ ہماری ہے۔''(۱۰)

''اتا نوی باٹ پاڑیا، کاڑیا سو گنج کاڑیا...... جس کا دل صاف اچھے گا، جس میں کچھ انصاف اچھے گا، مصحف کی سوں وہ ہمنا بہت مانے گا۔ خوب ہمنا پچھانے گا۔''(۱۱)

''کام بہت خاص کیا ہوں، چلتی عمارت راس کیا ہوں، یو غیب کی بشارت، جسے عمارت کتے سو یو عمارت۔''(۱۲)

ان اقتباسات میں قصہ اور اسلوب ہر دو سطحوں پر وجہی کی اپنی کاوش اور جگر کاوی کے حوالے سے اظہار ملتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر کسی شک کی گنجائش نہیں نکلتی۔ ان جملوں کے اندر کا خلوص اور سچائی خود بولتی ہے۔ خیال کیجئے جو بندہ خود مصحف کی قسم کھا کر اور کلمہ پڑھ کر اپنی محنت کا ذکر کر رہا ہے اور جو جھوٹ سے اس قدر نفرت کرتا ہے کہ جھوٹوں کو نہ صرف مجہول، نامقبول، مردود، نا قبول قرار دیتا ہے بلکہ آیت قرآنی (واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما) سے اس کی تصدیق لاتا ہے، اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ خود جھوٹا ہے اور ایک ایسی بات جو اس کی اپنی نہیں اسے اپنی کہہ رہا ہے، علی الاعلان کہہ رہا ہے، حالانکہ اسے پتہ ہے کہ یہ تصنیف اس بادشاہ کے حضور پیش کرنی ہے۔ جس نے بقول جالبی صاحب خود اسے ''حسن و دل'' کی طرز کا قصہ لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ کیا ایک درباری شاعر اس طرح کی حماقت کر سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسے بادشاہ کے آگے جو خود ایک اعلیٰ علمی و ادبی شخصیت کا مالک ہے، ایک شاعر چوری کی چیز کو اپنی کہہ رہا ہے اور بادشاہ اسے داد و تحسین سے نواز رہا ہے؟ یقیناً ''سب رس'' کے قصے کا موجد خود وجہی ہے لیکن مولوی عبدالحق اس کی ساری باتوں کو محض خامہ فرسائی کہہ کر نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ جھوٹ اور سچ کے بارے میں اس کی عبارتیں نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

''وجہی کے منہ سے یہ بات کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کس منہ سے یہ توقع کر سکتا ہے کہ آئندہ اس رستے پر چلنے والے اسے موجد مانیں گے، اس کی تقلید کرنے والے اسے استاد سمجھیں گے۔ یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت''(۱۳)

Scanned by CamScanner

عجیب تر بات یہ ہے کہ ''حسن ودل'' جسے مولوی صاحب نے سب رس کا ماخذ قرار دیا ہے اس کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''اگر چہ اس مثنوی کی تقلید ترکی اور ہندوستان ودکن میں کی گئی لیکن یہ مشہور نہ ہونے پائی۔''(۱۴)

یعنی فتاحی کی مثنوی ایک غیر معروف مثنوی تھی۔ایک غیر معروف مثنوی کی نسبت اتنے فسانے کہہ دینا خود اس مثنوی کے ساتھ زیادتی ہے۔مولوی صاحب کی تحقیق اپنی جگہ لیکن اصلیت شاید یہ ہے کہ اس طرح کی داستان جو فتاحی نے ''حسن ودل'' کے نام سے لکھی (اور بعد ازاں ترکی و ہندوستان میں بھی لکھی گئی) ایسی داستان تھی جس کا اس زمانے میں عام رواج تھا۔مرکزی کردار تو ایک سے تھے لیکن مختلف علاقوں میں اس کا چلن مختلف تھا اور ہر علاقے میں اپنے انداز سے اس کو بیان کیا جاتا ہوگا۔شاید اس سے متاثر ہو کر عبداللہ قطب شاہ نے وجہی سے فرمائش کر ڈالی ہو،لیکن اس کو فتاحی کے ساتھ مخصوص کر دینا اور وجہی کے قصے کو اس کا چربہ قرار دے دینا ایک انتہائی اقدام ہے۔اس قصے کی عمومیت کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

''سب رس''میں قرون وسطیٰ کے اس عالمگیر قصے کو موضوع فکر بنایا گیا ہے جو اس وقت ساری مہذب دنیا میں مقبول و معروف تھا۔''(۱۵)

ایک جگہ وہ مزید لکھتے ہیں۔

''سب رس کے قصوں کا افسانوں کے ایک ایسے عالمگیر سلسلے سے تعلق ہے جو ایران سے آئرستان تک پھیلا ہوا تھا۔''(۱۶)

اب ذرا ایک اور نقطہ نظر ملاحظہ ہو۔یہ ''سب رس'' کے اسلوب کے بارے میں ہے۔مولوی عبدالحق کے نزدیک:

''اس نے سارا قصہ شروع سے آخر تک فتاحی سے لیا ہے اور کہیں اس کا اقرار نہیں کیا اور یہی نہیں بلکہ تحریر کا اسلوب بھی اسی سے اڑایا ہے۔''(۱۷)

وجہی کے اسلوب پر یہ اولین تبصرہ تھا جو مولوی صاحب کی نوک قلم سے نکلا اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک رہنما اصول بن گیا۔حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں۔

''سب رس اس دقیق اور رنگین طرز میں لکھی گئی ہے جس کو مقفیٰ اور مسجع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''(۱۸)

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

''وجہی تہذیب و تربیت کے لحاظ سے بالکل فارسی رجحان کا ادیب تھا اور جن بلند ادبی نمونوں کی فضا میں اس نے تربیت پائی،انہی کی اتباع میں اس نے اپنے اس شاہکار ''سب رس'' کی بنیاد ڈالی۔''(۱۹)

Scanned by CamScanner

اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال یہ ہے کہ:

"وجہی نے سب رس لکھی تو اس کے سامنے کم از کم فارسی کے دو اسالیب بیاں ضرور تھے، ایک ملا ظہوری کا اسلوب نثر اور دوسرا خود فتاحی کے قصہ حسن و دل کا مسجع و مقفیٰ اسلوب۔" (۲۰)

پہلے اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق نے وجہی کے اسلوب کو فتاحی کی نقل قرار دیا۔ حافظ محمود شیرانی کے ہاں اتباع کا اشارہ مائل بہ نقل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں بھی کچھ اسی طرح کی صورت حال ملتی ہے۔ اس سے پہلے کہ اس بارے میں کچھ کہا جائے۔ آیئے وجہی سے پوچھتے ہیں کہ وہ اپنے اسلوب بارے کیا کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"جیتے چوساراں، جیتے فہم داراں، جیتے گن کاراں ہوئے سن آج لگن، کوئی اس جہان میں، ہندوستان میں، ہندی زبان سوں، اس لطافت اس چھنداں سوں، نظم ہور نثر ملا کر گلا کر یوں نیں بولیا۔" (۲۱)

فرہاد ہو کر، دونو جہاں تے آزاد ہو کر، دانش کے تیشے سوں پہاڑاں الٹایا، تو یو شیریں پایا، تو یو نوی بات پیدا ہوئی۔" (۲۲)

"یو عجب نظم ہور نثر ہے، جانو بہشت میں کا قصر ہے، سطر سطر پر برستا ہے نور، ہر یک بول ہے یک حور" (۲۳)

"کوئی فصیح اس فصاحت سوں بات نہیں کیا، اس دھات بات کوں سلاست نہیں دیا۔" (۲۴)

ان اقتباسات میں وجہی نے "سب رس" کے اسلوب کو اپنی ایجاد قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں اپنی محنت اور جان ماری کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسے اپنی اس ایجاد کا پورا پورا احساس بھی ہے اور اس پر فخر بھی۔ خود مولوی عبدالحق ایک جگہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"یہ اسلوب اردو زبان میں اس کا ایجاد ہے تو بے شک صحیح ہے۔" (۲۵)

حافظ محمود شیرانی بھی ایک جگہ اس کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بہر حال وجہی اپنے کارنامے پر اور اردو وجہی پر جس قدر فخر کرے، کم ہے۔" (۲۶)

معلوم ہوا کہ "سب رس" میں وجہی نے جو اسلوب اپنایا ہے وہ خود اس کی اپنی ایجاد ہے لیکن یہ الجھن پھر بھی باقی ہے کہ ایک طرف تو اسلوب کی ایجاد کا سہرا وجہی کے سر باندھا جا رہا ہے اور دوسری طرف فتاحی اور ظہوری سے اسلوب اڑانے کی باتیں بھی ہو رہی ہیں۔ یہ دو متضاد آرا ہیں۔ یہاں ایک تیسری بات بھی ہے جو ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ ماننا پڑے گا کہ وجہی ان معیاری اسالیب (فارسی) تک پہنچنے سے قاصر رہا ہے۔ چنانچہ فارسی ترکیب کا ایجاز اور اضافتوں کے معنی خیز اختصار پر اس کو قدرت معلوم نہیں

Scanned by CamScanner

ہوتی۔ وہ صنعت اور محاسن شعری پر بھی قادر ہے لیکن اردو طریقے کی اضافتوں کا پھیلاؤ
یہ بتارہا ہے کہ وہ بیان میں رچی ہوئی فارسیت کا اعجاز نہیں دکھا سکا، جو ولی، میر تقی میر
اور خواجہ درد کی شاعری اور غالب کی نثر میں ہے۔" (۲۷)

غور کیجئے ایک ایسا ادیب جو ظہوری کا خوشہ چیں اور فتاحی کے فارسی قصے کو سامنے رکھ کر حرف بحرف نقل کر رہا ہے نہ صرف قصے کی سطح پر بلکہ اسلوب کی سطح پر بھی اور جو خود بھی فارسی پر کامل دسترس رکھتا ہے، فارسی ترکیب کا ایجاز اور اضافتوں کے معنی خیز اختصار پر اس کو قدرت معلوم نہیں ہوتی اور وہ بیان میں رچی ہوئی فارسیت کا اعجاز نہیں دکھا سکا۔

اساتذہ کی آراء سر آنکھوں پر لیکن میرے خیال میں الجھنیں اس وقت تک برقرار رہیں گی جب تک ہم مفروضات اور قیاسات سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر لیتے اور اس فن پارے کو اس کے صحیح مقام پر رکھ کر نہیں دیکھتے۔ میرے نزدیک اسلوب کوئی پتھر گارے کا مکان نہیں جس پر جس نے جب چاہا اپنے نام کی تختی لگا دی۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی چیز ہے جس کے سوتے خود کسی لکھنے والے کے اندر سے پھوٹتے ہیں۔ ایسا اندر جو بیک وقت اپنی انفرادی خصوصیات اور باہر کی دنیا کا مغلوبہ ہوتا ہے۔ وجہی نے آج سے چار سو سال پہلے عقل و عشق کی داستان لکھی، وہ عقل و عشق جس کی کشمکش اس کے اپنے اندر بھی رچی بسی ہے اور باہر بھی ہر طرف اسی کا دور دورہ ہے۔ اس کے لیے وہ ایسی زبان استعمال کر رہا ہے جو نہ صرف اس کے داخل میں اپنا وجود رکھتی ہے بلکہ خارجی سطح پر بھی اس کا چرچا ہے۔ خارجی سطح پر تو زبان کے وہی عمومی رویے ہیں جن سے اس وقت کا ہر ادیب متاثر ہے لیکن داخلی سطح پر وجہی کے ہاں اس کی ایک انفرادی جہت بھی ہے۔ وہ فارسی و عربی کا عالم بھی تھا اور دکنی، مرہٹی، ہندی اور گجراتی سے بھی بخوبی واقف تھا۔ (جیسا کہ "سب رس" سے عیاں ہے) اس کے داخل میں ان سب زبانوں کا مزاج خوب رچا بسا تھا۔ جب اس نے "سب رس" لکھنا شروع کی تو موضوع کی گرمی اس کے داخل میں موجود تمام دھاروں کو اچک اچک کر باہر لے آئی اور وہ اپنے داخل کے ان دھاروں کو نگینوں کی طرح جڑتا چلا گیا۔ یوں "سب رس" کا اسلوب تشکیل پایا۔ اب اگر اس میں فارسی کا آہنگ زیادہ ہے اور دکنی کی بجائے ہندی سر چڑھ کر بول رہی ہے تو اسے وجہی ہی کی صفت خاص سمجھا جائے کیونکہ اس نے اسے اپنے داخل کی آنچ پر پکا کر موقع کی مناسبت سے باہر نکالا ہے۔ اس طرح کہ ایک طرف تو یہ اسلوب، جس عہد کے ساتھ اس کا تعلق ہے، اس کی نمائندگی کر رہا ہے اور دوسری طرف آنے والے دور سے کسی قدر ہم آہنگ ہے۔ یہی وہ صفت خاص ہے جس کا دعویٰ وجہی نے کیا اور وہ اس کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اس کے اس کارنامے کو ظہوری اور فتاحی کے سر تھوپ دیں یا صدیوں بعد آنے والے میر، سودا اور غالب کے مقابل رکھ کر اس کی فارسیت کے اعجاز کی نفی کر دیں۔ وجہی کے ہاں ایسی کوئی شعوری کوشش نہیں ملتی بلکہ وہ تو اس وقت کی سیدھے سادھے انداز کی ہندی لکھ رہا ہے اور اپنے داخل میں رچے بسے مختلف دھاروں سے اس میں رنگ بھر رہا ہے۔ خود مولوی

عبدالحق صاحب ایک جگہ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''اس نے اپنے زمانے کی نہایت با محاورہ اور فصیح زبان لکھی ہے۔'' (۲۸)

اور بقول حافظ محمود شیرانی:

''سب رس'' کا طرز بیان رنگینی کے التزام کے باوجود شگفتہ اور دلکش ہے۔'' (۲۹)

حقیقت یہ ہے کہ وجہی کے اسلوب کو اس کی شخصیت اور عہد کے مقابل رکھ کر دیکھا جائے تو نہ صرف وہ بنیادی الجھن (جس کا میں نے اوپر ذکر کیا) دور ہو جاتی ہے بلکہ دیگر اعتراضات کا بھی کافی وشافی جواب مل جاتا ہے۔ وجہی کے اسلوب پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی عبدالحق فرماتے ہیں:

''اس کے بیان میں ایک نقص ضرور ہے کہ ملا صاحب نے جگہ جگہ پند وموعظت کا دفتر کھول دیا ہے۔ (قافیے کے التزام سے) بعض بعض مقامات پر عبارت محض تک بندی ہو کے رہ گئی ہے۔'' (۳۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک:

''قافیے کے اس التزام نے نثر کی نثریت کو خاصا نقصان پہنچایا ہے ہر فقرہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سامنے آتا ہے۔'' (۳۱)

یہ باتیں درست لیکن ایک بات ضرور سامنے رہنی چاہیے کہ وجہی داستان لکھ رہا ہے۔ ایک ایسی داستان جس سے وہ دوسروں کی اصلاح چاہتا ہے اور اس ذریعے سے اپنے علم وفن کا اظہار بھی۔ جب ایسی صورت ہوگی تو پند وموعظت کا دفتر جگہ جگہ ضرور کھلے گا۔ دوسرے داستانوی انداز بھی اس بات کا متقاضی تھا اور ایک بات یہ بھی کہ جس عہد میں وہ یہ کتاب لکھ رہا ہے، قافیہ بندی اس عہد کا ایک واضح رجحان ہے خود وجہی کے لفظوں میں وہ نظم ہور نثر ملا کر لکھ رہا ہے۔ وہ شاعر بھی تھا چنانچہ قافیے سے کنارہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ ایک حوالے سے دیکھا جائے تو یہ اس کے اسلوب کی خوبی ہے۔ وہ قافیے کے اثر کو جمانے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے لاتا ہے اور ان جملوں کے ذریعے ٹھہر ٹھہر کر بات قاری تک پہنچاتا ہے۔ یوں ہر بات واضح بھی ہو جاتی ہے اور بیان کا جادو بھی قائم رہتا ہے۔

مختصراً یہ کہ ''سب رس'' کو اسی حوالے سے دیکھا اور دکھایا جانا چاہیے جیسی کہ یہ ہے وقت کی دھند نے جو تحقیقی وتنقیدی مغالطوں کی دیوار حائل کر دی ہے اسے عبور کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم قیاس کی بجائے حقائق کو سہارا بنائیں۔ دلیل چاہے ادنیٰ ہی کیوں نہ ہو بہرحال قیاس کی نسبت زیادہ معتبر ہے اور میرے خیال میں ''سب رس'' پر بات کرنے کے لیے ہمارے سامنے خود ''سب رس'' سے زیادہ واضح دلیل اور کوئی نہیں۔

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' مشمولہ مقدمات عبدالحق، از ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو مرکز لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۲۷۸

۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک' سنگ میل لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۱۹

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۴

۴۔ عبدالحق، مولوی ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' مشمولہ مقدمات عبدالحق، ص ۲۷۸

۵۔ ملا وجہی 'سب رس' مرتبہ شمیم انہونوی، شیخ بشیر سنز لاہور، س۔ن، ص ۷

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ص ۴۴۵

۷۔ ملا وجہی 'سب رس' ص ۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۰

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۔۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۲، ایضاً، ص ۱۴

۱۳۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' ص ۲۹۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۹۵

۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ص ۴۵۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۴۶

۱۷۔ عبدالحق، مولوی ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' ص ۲۹۹

۱۸۔ شیرانی، حافظ محمود، 'سب رس از ملا وجہی'، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی (جلد اوّل) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۱۹۔۲۰

۲۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ص ۴۶۰

۲۱۔ ملا وجہی 'سب رس' ص ۱۰

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۲

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰

Scanned by CamScanner

۲۵۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' ص ۲۹۸
۲۶۔ شیرانی، حافظ محمود، 'سب رس از ملا وجہی' ص ۳۲۰
۲۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر 'وجہی سے عبدالحق تک' ص ۲۰
۲۸۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' ص ۳۰۰
۲۹۔ شیرانی، حافظ محمود، 'سب رس از ملا وجہی' ص ۳۲۰
۳۰۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدمہ 'سب رس' ص ۳۰۱
۳۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر 'وجہی سے عبدالحق تک' ص ۲۰

کتابیات

۱۔ تاریخ ادب اردو (جلد اوّل) ڈاکٹر جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۵ء
۲۔ سب رس مرتبہ شمیم انہونوی، شیخ بشیر اینڈ سنز۔ س۔ ن
۳۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (جلد اوّل) مرتبہ مظہر محمود شیرانی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۷ء
۴۔ مقدمات عبدالحق، مرتبہ عبادت بریلوی، اردو مرکز لاہور، ۱۹۶۴ء
۵۔ وجہی سے عبدالحق تک، ڈاکٹر سید عبداللہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۶ء

Scanned by CamScanner